ISSN Online : 2709-4162
ISSN Print : 2709-4154
Volume.7, Issue.2 (2024)
(April-June)

# بین المتونیت

محمد شہزاد انجم
حمزہ محبوب
ڈاکٹر رابعہ سرفراز
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
لیکچرار اُردو، گورنمنٹ میونسپل گریجوایٹ کالج جڑانوالہ روڈ، فیصل آباد
صدرِ شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract

Exploring the Significance of Intertextuality in Contemporary Discourse Intertextuality, a term coined by literary theorist Julia Kristeva, has emerged as a fundamental concept in contemporary discourse across various mediums. It delves into the intricate connections and references between different texts, shedding light on the interwoven nature of literary, cinematic, and artistic creations. This article aims to delve into the multifaceted significance of intertextuality, examining its role in shaping narratives, fostering creativity, and enriching cultural discourse.At its core, intertextuality underscores the idea that no text exists in isolation; rather, it is influenced and shaped by the texts that precede it. This notion challenges traditional notions of authorship and originality, emphasizing the dynamic interplay between texts and the ongoing dialogue within cultural and literary spheres.
**Keywords:** Intertexuality, Literature, Art, Culture, Relationships, Languages, Texts, Analysis, Interpretation Themtic, Historical, Intertextual Connections, Intertemporal, Translation Evolution.

جولیا کرسٹیوا سلیون بلغاریہ میں 24 جون 1941 کو پیدا ہوئیں۔ اس کا والد گرجا کا اکاؤنٹنٹ تھا، اس نے اپنی ہونہار بیٹی کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ جولیا کرسٹیوا کو زمانہ طالب علمی سے ادب اور لسانیات سے گہری دل چسپی تھی۔ جولیا کرسٹیوا نے اس زمانے کے بلغاریہ کے مارکسٹ معاشرے کے عمومی حالات اور افراد کی زندگی کے جملہ نشیب و فراز پر نظر رکھی۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے یونیورسٹی آف صوفیہ بلغاریہ سے لسانیات میں ڈگری حاصل کی۔ 1965ء میں جولیا کرسٹیوا نے ڈاکٹریٹ کی فیلوشپ پر فرانس جانے کا عزم کیا۔ فرانس میں اسے دنیا کے ممتاز ماہرین لسانیات سے اکتساب فیض کے فراواں مواقع میسر آئے۔ 1965ء میں ہی جولیا کرسٹیوا نے ٹل کوئیل میں شمولیت اختیار کر لی۔ پیرس میں جولیا کرسٹیوا کی ملاقات فلپ سولرز سے ہوئی جس نے 1960ء میں ادیبوں کی تنظیم ٹل کوئیل کی بنیاد رکھی۔ فلپ سولرز کے متعدد ساتھیوں میں رولاں بارتھ، ژاک لاکال اور لوئس شامل تھے۔ رفتہ رفتہ فلپ سولرز کے ساتھ باہمی اعتماد کا تعلق اس قدر مستحکم ہو گیا کہ 2 اگست 1968ء کو وہ فلاپ سولرز کی شریک حیات بن گئی۔ ٹل کوئیل میں جولیا کرسٹیوا کے تحقیقی اور تنقیدی مقالات پیش ہونے کا سلسلہ 1968ء میں شروع ہوا۔ اپنے مقالات میں اس نے روسی ادیب میخائل باختن کے اسلوب پر نگاہ ڈالی اور مغربی ممالک کے دانشوروں کو میخائل باختن کے حقیقی مقام اور مرتبے سے متعارف کرانے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کے علاوہ روسی ہیت پسندی کے موضوع پر جولیا کر

ISSN Online : 2709-4162
ISSN Print : 2709-4154
Volume.7, Issue.2 (2024)
(April-June)

سٹیوانے کھل کر لکھا۔اس نے ہیگل کے نظریات کا مطالعہ کر کے اس پر اپنے تجزیے پیش کیے۔لسانیات میں اس نے نشان کا خاص طور پر مطالعہ کیااور اس کی گہرائی کو سمجھنے کی پوری کوشش کی۔1983ء میں جولیا کرسٹیوانے پریکٹیل سکول آف ایڈوانس سٹڈیز پیرس سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔اس نے لسانیات کے اہم شعبے کو اپنی تحقیق کے لیے منتخب کیا تھا۔اس کے تحقیقی مقالے کا موضوعRevolution in Poetic Language تھا۔1966ء میں جولیا کرسٹیوانے سب سے پہلے بین المتونیت کی اصطلاح وضع کی۔اس کے خیال میں کوئی بھی متن خود مختار نہیں ہے۔ایک متن کو سمجھنے کے لیے لازمی ہے کہ کسی دوسرے متن کے معنی اور سیاق وسباق کو سامنے رکھا جائے، کیونکہ ہر متن کئی دوسرے متون کی مدد سے وجود میں آتا ہے۔

Intertextualityکے لیے اردو میں بین المتونیت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔بین المتونیت کی اصطلاح فرانسیسی نظریہ ساز جولیا کرسٹیوانے1966ء میں اپنی کتاب"Semicotike"میں وضع کی۔Intertextualityکا لفظ اس نے لاطینی لفظInterextoسے وضع کیا۔جس کا مطلب ہے"بنتے ہوئے کو باہم ملانا"اور اس نے اس سے جو اصطلاحی مفہوم نتھی کیا،وہ اس نے سوسیئر کے ''انسانی فلسفے''اور میخائل باختن کے ''مکالیت'' سے اخذ کیا۔

او کسفورڈ ڈکشنری آف لٹریری ٹرمز میں بین المتونیت کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

"The term intertext has been used variously for a text drawing on other texts, for a text thus drawn upon, and for the relationship between both."(1)

ابو الکلام قاسمی کہتے ہیں کہ بین المتونیت اتنی وسیع اور جامع اصطلاح ہے کہ اس کے دائرہ کار میں محض کتابی اور تحریری متن نہیں آتا بلکہ لسانی اظہار کے ساتھ ساتھ سماجی یا ثقافتی مظاہرہ، بہت سے حقائق جن کا اظہار نہیں کیا جا سکتا اور روایتی تصورات، کہاوتوں، مختلف قصوں اور کہانیوں کے اسالیب اس طریق کار کے ذریعے متن کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر ستیہ پال آنند ''بین المتونیت'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''کوئی بھی متن اپنے تحریر شدہ مواد میں خود کفیل نہیں ہے۔اس میں دیگر متون کے اثرات موجود ہیں، جہاں تک کہ ہر ساختیہ، ہر لفظ، ہر جملہ یا تو گذشتہ خزینوں سے بجنسہ ہی مستعار لیا گیا ہے، یا اس پر ان کا ''سایہ'' ہے۔''(۲)

ڈاکٹر ناصر عباس نیر بین المتونیت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''مابعد جدید تنقید اور طریق ہائے مطالعہ کی وضاحت جس عمدگی سے بین المتونیت کرتی ہے، کوئی دوسری اصطلاح نہیں کرتی۔مابعد جدید تنقید اور مطالعاتی طریقے بین العلومی اور بین المتونی ہیں۔اس سے مراد ہے کہ کوئی بھی ایسا متن (خواہ وہ ناول ہو یا نظم یا تاریخی دستاویز) موجود نہیں ہے جو کسی اور متن کے بغیر کے مکمل ہو، ہر متن دوسرے متن سے وجود میں آتا ہے۔''(۳)

ایک متن کو پڑھتے ہوئے دوسرے متن کو حوالہ کے طور پر استعمال کرنا بین المتونیت کہلاتا ہے۔ہر تحریر متن پر مشتمل ہوتی ہے۔کوئی بھی متن آزاد نہیں ہوتا اور ہر متن دوسرے سے تعلق رکھتا ہے۔بین المتونیت کا نظریہ جولیا کرسٹیوانے دیا۔اس کے خیال میں کوئی بھی متن خود مختار نہیں ہے۔ایک متن کو سمجھنے کے لیے لازمی ہے کہ کسی دوسرے متن کے معنی اور سیاق وسباق کو سامنے رکھا جائے۔کیونکہ ہر متن کئی دوسرے متون کی مدد سے وجود میں آتا ہے۔1966ء میں جولیا کرسٹیوانے اس حوالے سے اپنے نظریات کا اظہار کیا۔اس کے بقول جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مصنف اور قاری کے درمیان معانی کی تفہیم نہیں ہو رہی ہے تو قاری ان معانی تک نہیں پہنچ پا رہا ہے جن تک مصنف اسے پہنچانا چاہتا ہے تو وہ مصنف اس کے لیے دوسرے متون کا سہارا لیتا ہے۔جولیا کرسٹوا کے خیال میں کوئی بھی متن انفرادی اور مکمل طور پر خود مختار نہیں ہوتا بلکہ ہر متن ثقافتی متن سے ترتیب پاتا

ISSN Online : 2709-4162
ISSN Print : 2709-4154
Volume.7, Issue.2 (2024)
(April-June)

ہے کرسٹواکا کہناہے کہ دونوں انفرادی متن اور ثقافتی متن جس قسم کے مواد اور عناصر سے ترتیب پاتے ہیں اس کی اصل ایک ہی ہے۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے۔ نئی تنقید کے مطابق متن کی ہر بار قرآت نئے معانی کو سامنے کے آئے گی، کیونکہ ہر قاری اپنے پہلے سے پڑھے گئے متن کی روشنی میں اس متن کا مطالعہ کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ انھیں متون کی وساطت سے معنی اخذ کرتا ہے۔ مابعد جدیدیت امین التونیت کو اور ایک متن پر دوسرے متن کی تخلیق کے رجحان کو اہمیت دیتی ہے۔ معنی کی مرکزیت یا ادبی معیاروں کو فوقیت سے انکار کرتی ہے۔ جڑوں کی تلاش اور تہذیبی حوالوں کی اہمیت کا احساس دلاتی ہے۔

کسی بھی ناول، افسانے، فلم یا ڈرامے میں متنوع عناصر اور متون کام آتے ہیں اور یہ متون پہلے سے موجود متون اپنے متن کی تشکیل کے لیے اپنے سے ماقبل متون کے محتاج ہوتے ہیں۔ یوں متن در متن ایک سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس لیے کوئی بھی متن خود کفیل نہیں ہوتا بلکہ متن اپنی تشکیل کے لیے دوسرے متون کا محتاج ہے۔ اس لیے ایک متن کی تعبیر کے دوران دوسرے کئی متون کی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں اور کئی نئے متون سامنے آجاتے ہیں۔ دراصل بین التونیت کو مابعد جدید تنقید میں اس لیے بھی اہمیت حاصل ہے کہ اس کو کئی دوسری تکنیک کے ساتھ جوڑ کر دیکھا جاتا ہے جن میں مہا فکشن، تاریخی میٹا فکشن، فنی مخلوط، خوف و تحیر اور پیروڈی وغیرہ شامل ہیں۔ بین التونیت کی اصطلاح کا باقاعدہ آغاز بھی ہمیں جولیا کرسٹیوا کے ہاں ہی دکھائی دیتا ہے۔ اس نے پہلی بار اس کا استعمال اپنے مضمون "Word, Dialogue and Novel" میں 1966ء میں کیا ہے۔ جولیا کرسٹیوا کے مذکورہ تصور کے مطابق متن کبھی بھی خود مختار اکائی کے طور پر موجود نہیں ہوتا کیونکہ اس میں دیگر متون منقلب ہو کہ عمل آرا ہوتے ہیں اس لیے اسے بند نظام کے طور پر دیکھنا درست نہیں۔ کوئی بھی متن جب تشکیل پذیر ہوتا ہے تو اس میں مختلف عناصر اور متون کارفرما ہوتے ہیں۔

بین التونیت میں سوسیئر کے لسانی ماڈل، میخائل باختن کا نظریہ "مکالمت" ژاک لاکاں اور سگمنڈ فرائڈ کے لاشعور اور تحلیل نفسی کے نظریات کے علاوہ سینڈرز پیرس کے "Semiotics" کے نظریہ کی بازگشت واضح طور پر دیکھائی دیتی ہیں۔ یہ وہ نظریات ہیں جن پر بین التونیت کے تصور کی بنیادیں استوار ہوئی ہیں۔ اس لیے اس کے منفرد اسلوب کو "Semonalysis" سے موسوم کیا جاتا ہے، جس میں سائنسی انداز فکر کو اپنایا گیا ہے۔

جولیا کرسٹیوا کی بین التونیت کا تصور آج کا نہیں بلکہ اس کا تعلق اس دور سے ہے جب سے انسان کا معاشرہ تشکیل پزیر ہوا ہے۔ جہاں اور جس جگہ ڈسکورس کا متن اپنا وجود رکھتا ہے وہاں وہاں بین التونیت کے عناصر کو آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ یونانی کلاسیکی دور جن میں افلاطون، ارسطو، ہورلیس، اور لان جائنس ایسے منفین شامل ہیں، سے لے کر بیسویں صدی عیسوی میں میخائل باختن، رولاں بارتھ اور جولیا کرسٹیوا تک کی تحریروں میں بین التونیت کے عناصر موجود ہیں۔ مربوط اور منتظم طور پر اس تصور کی جانب توجہ بیسویں صدی کے آخری عشروں میں اس وقت دلائی گئی جب پس ساختیات ایک پیراڈائم کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔

جدید فزکس ہو یا سوسینئر کا "انسانی ماڈل" میخائل باختن کا "مکالمیت کا تصور ہو یا رولا بارتھ کے متون پر مباحث، بین التونیت میں ان کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔

بین التونیت کے تصور کی تفہیم کراتے ہوئے ناصر عباس نیر کہتے ہیں:

"نیا متن پرانے متون کے معنیاتی امکانات، ان کے تخلیقی پوٹینشل، ان کے زاویہ نظر، ان کی Value Judgment مختلف طریقوں سے بروئے کار لاتا ہے۔ اس صورت میں نیا متن بیضۂ رحم کی مانند ہوتا ہے، جو دوسرے متون کے بیج کو قبول کرتا ہے اور ان کی نشو و نما کرتا ہے۔"(۴)

بین التونیت میں متن ایک ایسی جگہ ہے جہاں متعدد متون ایک دوسرے سے مل کر باہم آمیز ہو جاتے ہیں۔ یہ اپنی شناخت کھو دیتے ہیں، لیکن متن کی معنی خیزی میں اپنا کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ بین التونیت کے حوالے سے جولیا کرسٹیوا کا خیال ہے کہ وہ سماجی تشکیلات جن سے انسان متحد و منظم ہوتے ہیں اپنی اصل میں نحوی کیفیت رکھتی ہے۔ ایسا اتحاد و ربط تخریبی عناصر کی زد پر رہتا ہے۔ تخریب کار عناصر تین زمروں میں منقسم ہو سکتے ہیں۔ یہ زمرے نشاط، مزاح اور شاعری پر مشتمل ہو سکتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4162
ISSN Print : 2709-4154
Volume.7, Issue.2 (2024)
(April-June)

ایک دوسری جگہ ڈاکٹر ستیہ پال آنند بین المتونیت کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ :

''دنیا کی پہلی کتاب ''رگ وید'' سے لے کر آج تک کسی بھی ایسی تحریری متن کا وجود ناممکن ہے، جو خود کفیل ہو، جس کی بابت میں کہا جا سکے کہ یہ پہلے نہیں کہا گیا، جو باکرہ نفیس ہو، جے پہلے کسی نے نہ چھوا ہو، "پہل (الست) نام کی کوئی شے نہیں۔ ہر شے کے سابقون، اولون موجود ہیں۔''(5)

اب تک کے مباحث سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی متن خود کفیل اور خود مختار نہیں ہوتا۔ کسی بھی متن کے صورت پذیر ہونے سے پہلے متعدد متون موجود ہوتے ہیں۔ پر نیا متن پہلے سے موجود متون کے باہم عمل آرا ہونے سے تشکیل پذیر ہوتا ہے۔ یوں بین المتونیت کی تھیوری نئی تنقید کے مرکزی داعیے کی تردید کرتی ہے جس کے تحت متن خود مختار اور خود کفیل ہوتا ہے۔ اس سے پہلے یہ تصور عام تھا پہلے سے موجود متون نئے متن میں ثابت و سالم موجود رہتے ہیں جنہیں آسانی سے نشان زد کیا جا سکتا ہے۔

بین المتونیت نے اس تصور کو بدل دیا۔ اب بین المتونیت کی تھیوری کے تحت نئے متن میں پہلے سے موجود متون اپنی تقلیب کر کے نئی صورت میں موجود ہوتے ہیں۔ متن کی تخلیق گویا پرانے متون کو ہو بہو نقل کرنے کا نام نہیں بلکہ پرانے متون کی تقلیب کا نام ہے۔

بین المتونیت میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ تاریخی، ثقافتی یا سماجی متون کی معنوی جہت ادب کے نشانیاتی نظام میں باہم متصادم ہو کر معنی آفرینی کا کون سا نیا اور منفرد عالم تخلیق کر رہی ہے؟ نئے متن کی تشکیل میں جو متعدد متون عمل آرا ہوتے ہیں ان سے واحد معنی کی تخلیق نہیں ہوتی بلکہ نئے اور متعدد معنی تشکیل پاتے ہیں۔ متعدد اور کثیر معنی میں در حقیقت وہ معنی بھی موجود ہوتے ہیں جنہیں سیاسی یا ثقافتی طور پر چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے اور معنی کی وحدت پر زور دے کر محض مخصوص معنی پر زور دیا جاتا ہے۔ ساختیاتی تنقید ادبی متون کو بھی ایک خاص ثقافتی پوٹینشل کی Realization قرار دیتی ہے اور ادبی متون کی تفہیم و تعبیر کے بجائے ان متون کے وسیلے سے اس ثقافتی نظام کو گرفت میں لیتی ہے، جس نے متون کی تعمیر و تشکیل کی ہوتی ہے۔ یہ نظام مخصوص کوڈز اور کنونشنز رکھتا ہے، جس لاتعین ساختیاتی نقاد دوران مطالعہ کرتا ہے۔" بین المتونیت میں قرات Reading کا عمل ایک پیچیدہ اور تہ دار عمل ہے۔ اس دوران معاشی، سماجی، جمالیاتی اور سیاسی تصورات اور اثرات کے پورے سلسلوں کا عمل در عمل جاری رہتا ہے جس سے متن کے تیس ہمارا ردعمل مرتب ہوتا ہے۔ قرات کے عمل کی پیچیدگی اور اہمیت سے انکار کرنا خود کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ بقول بارتھ :

''متن یا متن کے پہلے سے طے شدہ معنی ہر گز کوئی وجود نہیں رکھتے۔''(۶)

حوالہ جات

1۔ ناصر عباس نیز، مرتب: ساختیات اور ساختیاتی تنقید، مشمولہ: ساختیات ایک تعارف، اسلام آباد: پورب اکادمی 2011ء، ص:114
2۔ گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات، مشرقی شعریات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2010ء، ص:168
3۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور جدید اردو تنقید، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، 2014ء، ص:96
4۔ کرامت حسین جعفری، مبادیات نفسیات، لاہور: ایجوکیشنل پبلشرز، 1973ء، ص:163
5۔ ناصر عباس نیز، جدید اور مابعد جدید تنقید (مغربی اور اردو تناظر میں)، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، 2004ء، ص:309
6۔ رومن سیلڈن، نظریہ ادب کے راہنما اصول، مترجم: اعزاز باقر، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2012ء، ص:93